آیت اللہ سید علی خامنہ ای

روحِ توحید

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

آیت اللہ سید علی خامنہ ای

روحِ توحید

لا اِلٰہ اِلّا اللہ

تالیف
آیت اللہ سید علی خامنہ ای

ترجمہ
سید راشد احمد

یکے از مطبوعاتِ
دار الثقلین
دار الثقلین
پوسٹ بکس نمبر ۲۱۳۳-کراچی ۷۴۶۰۰-پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب: روحِ توحید لا الٰہ الا اللہ

تالیف: آیت اللہ سید علی خامنہ ای

ترجمہ: سید راشد احد

نظرثانی و تصحیح: سید سعید حیدر زیدی

ناشر: دارالثقلین

تاریخِ اشاعت: جمادی الاوّل ۱۴۳۱ھ، مئی ۲۰۱۰ء

قیمت: ۳۰ روپے

انتساب

خمینیؒ بت شکن کے نام

جنہوں نے

عصرِ حاضر کو

روحِ توحید سے آشنا کیا۔

یہ دور اپنے براہیمؑ کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں، لا الہ الا اللہ

(علامہ اقبالؒ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نوع انسانی کی نجات کے مشن پر مامور ہوئے اور آپؐ نے کلمۂ لا الہ الا اللہ بلند کیا' تو سب سے پہلے جن لوگوں نے آپ کی مخالفت کی وہ کوئی اور نہیں بلکہ سرداران ورہنمایانِ قبائل تھے۔ انہوں نے آپ کی مخالفت کا آغاز مزاحمت کے بالکل ابتدائی ہتھیار یعنی استہزاء اور زبانی لعن طعن کے ذریعے کیا اور پھر جوں جوں توحیدی تحریک کے قدم جمتے گئے اُسی تناسب سے ان لوگوں نے بڑے ہتھیار اور وسائل کے ذریعے اسے اپنے حملوں کا نشانہ بنایا۔ پیغمبرؐ اور اُن سے فکری وابستگی رکھنے والے گروہ کی مخالفت پر کمر بستہ دوسرے لوگ انہی قبائلی سرداروں کے زیرِ اثر افراد تھے۔ اور یوں ہجرت سے قبل کے تیرہ برسوں میں بارہا تاریخ نے اُن شرمناک مناظر کا سامنا کیا۔

یہ تاریخی واقعیت ایک ایسی حقیقت کو نمایاں کرتی ہے جو اسلام اور بالخصوص توحید (جسے اسلام کا اہم ترین پیغام سمجھا جانا چاہیے) کی تفہیم کے سلسلے میں انتہائی گہرے مطالعے کی مستحق ہے۔

ہمارے دور کی ایک افسوسناک ترین بات' جو انسان کی نجات کے لیے سرگرم عمل

تمام افراد کی نظر میں ایک المیے کی حیثیت رکھتی ہے' وہ مفہومِ توحید یعنی ادیانِ آسمانی کے بنیادی ترین مفہوم میں تحریف ہے۔ کیونکہ انسانی تصورات و نظریات کی تاریخ میں توحید کے سوا کوئی بھی نظریہ مظلوم انسانوں کی نجات و آزادی کے لیے درکار قوت و صلاحیت کا مالک نہیں ہے۔

جہاں تک ہمیں معلوم ہے تاریخ میں تمام انبیا کی بعثت انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے' کمزور اور پسے ہوئے انسانوں کو نجات دلانے کی خاطر اور ظلم و ستم' تفریق و امتیاز اور زیادتیوں کے خلاف ایک انقلاب تھی۔ ایرچ فردم (۱) کے بقول تمام بڑے ادیان کا اخلاقی محور علم و دانش کی ترغیب' بھائی چارے کا فروغ' انسانی زندگی میں مشکلات و مصائب کا خاتمہ اور استقلال اور احساسِ ذمے داری پیدا کرنا تھا۔ (ظاہر ہے دوسرے اعلیٰ و ارفع مقاصد بھی ہیں جن کا ادراک کسی مادہ پرست محقق کے بس کی بات نہیں)

یہ تمام بلند مقاصد اصولِ توحید میں سمو دیے گئے ہیں۔ انبیائے الٰہی نے توحید کا نعرہ بلند کر کے نہ صرف اپنے تمام اہداف و مقاصد کو پیش کیا' بلکہ اصولِ توحید کے اعلان کے بعد انہوں نے جس جدوجہد کا آغاز کیا اُس کے ذریعے اپنے اُن مقاصد کو حقیقت کی دنیا میں جامۂ عمل بھی پہنایا۔

اس صورت میں توحید کے معنی و مفاہیم کا مبہم رہ جانا' یا اُن میں تحریف ہو جانا اور اُس دور میں جبکہ یہ مقاصد ہمیشہ سے زیادہ فوری اور ضروری انداز میں پیش کیے جانے کے لائق ہیں' توحید کا ایک محض سطحی اور فقط ذہنی تصور کی حیثیت اختیار کر لینا یقیناً افسوس ناک بات ہے' نہ صرف توحیدی تصورِ کائنات کے معتقد افراد کے لیے بلکہ اُن تمام لوگوں کے لیے جو ان مقاصد سے وابستگی کے دعویدار اور ان کے حصول کے لیے جدوجہد میں مصروف ہیں۔

☆☆☆

۱۔ ایرچ فرام (Erich Fromm) ایک جرمن سماجی مفکر۔

ہم نے عرض کیا تھا کہ طلوعِ اسلام کے آغاز میں جو صف بندیاں وجود میں آئی تھیں' وہ توحید کے بارے میں ایک اہم حقیقت کو واضح کر سکتی ہیں۔

وہ حقیقت یہ ہے کہ: "لا الہ الا اللہ" کے نعرے کی پہلی ضرب اُن لوگوں پر پڑی تھی جو اس کی مخالفت کے لیے کمر بستہ ہوئے تھے' یعنی معاشرے کے طاقتور اور اُس پر مسلط طبقے پر۔

ہمیشہ کسی فکر اور کسی تحریک کے خلاف اُٹھنے والا مخالفانہ ردِ عمل اُس فکر اور تحریک کے اجتماعی موقف اور اس کے نتیجے میں رونما ہونے والے گہرے اثرات کو واضح کیا کرتا ہے۔ اس تحریک کی مخالف شخصیات اور اُن کی طبقاتی وابستگی کے مطالعے کے ذریعے' اس تحریک کے طبقاتی اور اجتماعی نقطۂ نظر کا علم حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مخالفین کی مخالفت میں پائی جانے والی شدت اور اس سلسلے میں اُن کی سنجیدگی دیکھ کر اس تحریک کی گہرائی اور اُس کے اثرات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ الٰہی دعوتوں اور تحریکوں کی درست شناخت کے لیے' ایک قابلِ اطمینان راستہ' ان دعوتوں کے طرفدار اور مخالف محاذوں (camps) کا مطالعہ ہے۔

جب ہم اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ معاشرے کے طاقتور طبقات' وہ اولین افراد تھے جو ادیان کے خلاف کمر باندھ کر میدان میں اُترے اور جنہوں نے اس مقصد کے لیے کسی کوشش سے دریغ نہ کیا' تو ہم پر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ دین اور دینی تحریکیں طبیعتاً (by nature) ان طبقات کی مخالف ہیں' معاشرے پر اُن کی جابرانہ بالادستی' اُن کی طرف سے دولت کے ارتکاز اور بنیادی طور پر اُن کے قائم کردہ اُس طبقاتی نظام ہی کی مخالف ہیں جو انہیں ان خصوصیات کی وجہ سے دوسروں سے ممتاز اور علیحدہ کرتا ہے۔

اس نقطۂ نظر (یعنی معاشرے پر ایک طبقے کی بالادستی کے خلاف اسکے موقف) سے نظریۂ توحید پر گہرے غور و خوض کے لیے لازم ہے کہ سب سے پہلے ہم یہ بات جانتے ہوں کہ توحید اپنے بارے میں رائج اُس عامیانہ نقطۂ نظر کے برخلاف (جو اسے محض ایک فلسفی

اور یہی نظریہ رکھتا ہے) انسان اور کائنات کے بارے میں ایک بنیادی نظریہ نیز ایک سماجی اقتصادی اور سیاسی عقیدہ (doctrine) ہے۔

مذہبی اور غیر مذہبی اصطلاحات کے درمیان ہم شاید ہی کوئی ایسی اصطلاح تلاش کر پائیں جو اس حد تک انقلابی اور تعمیری مفاہیم سے لبریز ہو اور جس میں انسان کی اجتماعی اور تاریخی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو پیش نظر رکھا گیا ہو۔ یہ محض اتفاق نہیں کہ طولِ تاریخ میں تمام الٰہی دعوتوں اور تحریکوں کا آغاز خدا کی وحدانیت اور صرف اسی کی ربوبیت اور الوہیت کے نعرے کے ساتھ ہوا ہے۔

توحید کی مختلف جہات (dimensions) کی ایک مختصر فہرست کچھ اس طرح ہے:

الف: ایک عمومی تصورِ کائنات کے نقطۂ نظر سے

اس سے مراد یہ ہے کہ پوری کائنات میں وحدت اور یک جہتی موجود ہے اور اس کے تمام اجزا و عناصر کے درمیان ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

کیونکہ خالقِ کائنات ایک ہی ہے، تمام مخلوقاتِ عالم ایک ہی سرچشمے سے وابستہ ہیں اور کائنات کی تخلیق اور اسے چلانے میں مختلف خداؤں اور خالقوں کا ہاتھ نہیں ہے، لہٰذا یہ سب ایک ہی مجموعے کے اجزا ہیں اور پوری کائنات ایک اکائی (unit) اور ایک ہی سمت کی مالک ہے۔

"مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ"

"تم خدائے رحمٰن کی خلقت میں کوئی ناہم آہنگی نہیں پاؤ گے۔"

(سورۂ ملک ٦٧۔ آیت ٣)

"اَوَ لَمْ یَتَفَكَّرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّى ....."

"کیا انہوں نے کبھی اپنے نفس میں غور نہیں کیا؟ کہ اللہ نے زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی تمام مخلوقات کو بس ایک نظامِ حق کے مطابق اور ایک معین مدت کے لیے پیدا کیا ہے۔" (سورۂ روم ٣٠۔ آیت ٨)

اس نظریے کے مطابق متحرک کائنات ایک ایسے کارواں کی مانند ہے جس کے تمام مسافر زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک دوسرے سے متصل ہیں اور ایک مشین کے چھوٹے بڑے پرزوں کی مانند باہم اور ایک ہی سمت میں مصروفِ عمل ہیں۔ اس کائنات کی ہر چیز اس نظام کے ایک جز کی حیثیت سے اپنے مقام کو مدِنظر رکھتے ہوئے اپنا متعین فریضہ ادا کرنے میں مشغول ہے۔

پس کمال کی جانب رواں دواں اس سفر میں ہر شئے دوسری اشیا کی مددگار اور اُن کی تکمیل کرنے والی ہے اور ان میں سے ہر ایک اس مجموعے کا لازمی جز ہے۔ ان میں سے کسی بھی جز کا توقف، تباہی اور جمود و انحراف اس پورے نظام کی سست روی، خرابی اور اپنی راہ سے بھٹک جانے کا مُوجب ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک گہرا اور معنوی بندھن ان تمام اجزائے کائنات کو ایک دوسرے سے متصل اور مربوط رکھتا ہے۔

{ نظریۂ توحید کی رو سے } کائنات مقصدیت کی حامل ہے اور اس میں ایک گہرے حساب کتاب پر مبنی نظم و ضبط بھی پایا جاتا ہے اور اس کے ایک ایک جز میں معنویت اور روح بھی موجود ہے۔ کیونکہ یہ ایک حکیم ہستی کی تخلیق اور اُسی کی پیدا کردہ ہے۔ پس خود اس کے وجود میں بھی (جیسے کہ اس کے بہت سے اجزا میں محسوس اور مشہود ہے) کسی حکمت کا پایا جانا ناگزیر ہے اور اس کے لیے ایک مقصد اور ہدف کا ہونا ضروری ہے۔

"وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ"

"ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اُسے کھیل تماشے کے طور پر اور بے مقصد خلق نہیں کیا ہے۔" (سورۂ انبیا ٢١۔ آیت ١٦)

اس نظریے کے مطابق کائنات کا مجموعہ محض ایک بے مقصد اور فضول عمل نہیں ہے' بلکہ ایک مشین کی مانند ہے جسے بنا کر ایک مقصد کے لیے حرکت میں لایا گیا ہے۔ ہم یہ تو پوچھ سکتے ہیں کہ وہ مقصد کیا ہے' لیکن یہ نہیں پوچھ سکتے کہ وہ مقصد کیوں ہے۔ یہ ایک شعر یا مضمون کی مانند تو ہے' جس کی مراد جاننے کے لیے اس پر غور و فکر کیا جانا چاہیے' لیکن اسے کسی صورت ایک ایسی آواز نہیں سمجھنا چاہیے جو کسی حادثے کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔

اس سے آگے بڑھ کے (اس نظریے کا) مفہوم کائنات کی تمام اشیا اور عناصرِ عالم کا خدا کے سامنے تسلیم ہونا بھی ہے۔ اس مجموعے کی کوئی چیز اور کوئی قانون خودسر اور اپنی مرضی کا مالک نہیں۔ قوانینِ کائنات اور وہ تمام چیزیں جو ان قوانین کے زیرِ سایہ اور ان کی ہدایت کے تحت مصروفِ عمل ہیں' وہ مکمل طور پر مرضیِ الٰہی اور حکمِ خداوندی کے تابع ہیں۔

پس اس وسیع و عریض کائنات میں طبیعی اور فطری قوانین کے وجود کا لازمہ اور اس کا مطلب خدا کی موجودگی کا انکار اور اس کی ربوبیت اور کائنات پر اس کی حکم فرمائی کی نفی نہیں ہے۔

"اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۔"

"آسمان اور زمین میں کوئی ایسا نہیں ہے جو رحمٰن کی بارگاہ میں بندے کی حیثیت سے پیش ہونے والا نہ ہو۔" (سورۂ مریم ۱۹۔ آیت ۹۳)

"...... بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۔"

"بلکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب اسی کا ہے اور سب اسی کے تابع فرمان ہیں۔" (سورۂ بقرہ ۲۔ آیت ۱۱۶)

"وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَ الْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۔"

"ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔ (اس کی قدرتِ کاملہ کا حال تو یہ ہے کہ) قیامت کے روز پوری زمین اس

کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اُس کے دستِ راست میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ یہ لوگ جن چیزوں کو اُس کا شریک ٹھہراتے ہیں وہ اُن سے پاک اور بالاتر ہے۔" (سورۂ زمر ۳۹۔ آیت ۶۷)

ب: انسان کے بارے میں مطالعے اور فیصلے کے نقطۂ نظر سے

نظریۂ توحید کی رو سے تمام انسان خدا سے رابطے اور تعلق کے حوالے سے وحدت اور مساوات کے حامل ہیں۔ وہ تمام انسانوں کا خداوندگار اور رب ہے۔ اپنی انسانی حیثیت کے اعتبار سے کسی کا بھی اُس سے کوئی امتیازی اور مخصوص تعلق نہیں ہے۔ کسی کی اُس سے رشتہ داری نہیں ہے۔ وہ کسی خاص ملت یا قوم و قبیلے کا خدا نہیں ہے کہ دوسروں کو اُن کے طفیل' اُن کی خدمت کے لیے اور اسی طرح اُن کی رعیت کے طور پر خلق کیا ہو۔

اُس کے نزدیک سب انسان برابر ہیں' اور اگر خدا کی بارگاہ میں کسی کو کوئی امتیاز حاصل ہے' تو وہ اُن کوششوں کی وجہ سے ہے جو وہ انسانوں کی بھلائی' اُن کی فلاح و بہبود اور خدائی احکام پر عمل (جو انسان کے کمال کی بلندیوں کو چھونے کی واحد اطمینان بخش ضمانت ہے) کے سلسلے میں انجام دیتا ہے' اور اس سلسلے میں مجاہدت اور سعیِ پیہم میں مشغول رہتا ہے۔

"وَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۔"

"اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنا لیا ہے' پاک ہے وہ ذات (ایسی باتوں سے) بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اسی کا ہے اور سب اسی کے تابع فرمان ہیں۔" (سورۂ بقرہ ۲۔ آیت ۱۱۶)

"فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ وَ اِنَّا

لَهٗ كٰتِبُوۡنَ"

"پس جو نیک اعمال بجالائے اور وہ مومن ہو تو اس کی کوشش کی ناقدری نہیں کی جائیگی اور ہم (اس کے اعمال) اس کے لیے لکھ رہے ہیں۔"

(سورۂ انبیا ۲۱۔ آیت ۹۴)

"یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ وَّ اُنۡثٰى وَ جَعَلۡنٰكُمۡ شُعُوۡبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰٮكُمۡ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ خَبِيۡرٌ"

"اے انسانو ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، پھر تمہیں قومیں اور قبیلے بنا دیا، تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہے، یقیناً اللہ خوب جاننے والا باخبر ہے۔" (سورۂ حجرات ۴۹۔ آیت ۱۳)

اس سے مراد یہ بھی ہے کہ تمام انسان اپنی خلقت اور انسانیت میں بھی وحدت اور برابری کے مالک ہیں، انسانیت وہ واحد عنصر ہے جو تمام افرادِ بشر میں یکساں اور مساوی طور پر موجود ہے۔ معاشرے کے مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے انسان مختلف خداؤں کی مخلوق نہیں ہیں جس کی وجہ سے اُن کی خلقت کا خمیر بھی مختلف ہو اور نتیجے کے طور پر اُن کے درمیان ایک ناقابلِ عبور حد بندی پائی جاتی ہو۔ یا بالائی طبقے (elite class) کا خدا نچلے طبقے (lower class) کے خدا سے زیادہ طاقتور اور بڑا ہو۔

نہیں تمام انسان ایک ہی خدا کی مخلوق ہیں اور سب اپنے بنیادی جوہر اور ماہیت میں یکساں ہیں۔۔۔

"یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ"

"اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک نفس سے پیدا کیا ہے۔" (سورۂ نساء ۴۔ آیت ۱)

عقیدۂ توحید اس معنی پر بھی دلالت کرتا ہے کہ کیونکہ تمام انسان یکساں انسانی جوہر اور سرشت کے مالک ہیں اس لیے ان میں بلندی اور کمال کے حصول کا امکان بھی یکساں پایا جاتا ہے۔ اور یہ خصوصیت خدا ہی کی ودیعت کردہ ہے۔

پس کسی بھی شخص کو اُس کی ذات اور سرشت میں روحانی بلندی و کمال کی راہِ مستقیم پر سفر کی صلاحیت سے محروم نہیں رکھا گیا ہے۔

لہٰذا دعوتِ توحید ایک عام دعوت ہے، یہ کسی خاص فرد، قوم یا طبقے کے لیے مخصوص نہیں ہے۔ اگرچہ مختلف حالات (circumstances) مختلف اثرات کے حامل ہوا کرتے ہیں، لیکن کبھی یہ نہیں ہوا ہے کہ ان حالات نے کسی انسان سے انتخاب اور تبدیلی کا اختیار سلب کر لیا ہو اور اُسے مجبور کر کے ایک فرشتہ یا شیطان بنا دیا ہو۔

خداوند عالم قرآن کریم میں پیغمبر اکرمؐ سے مخاطب ہو کے فرماتا ہے:

"وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّ نَذِيۡرًا"

"اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے صرف بشارت دینے والا اور تنبیہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔" (سورۂ سبا ۳۴۔ آیت ۲۸)

نیز فرماتا ہے:

"وَ اَرۡسَلۡنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوۡلًا"

"اور ہم نے آپ کو لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔"

(سورۂ نساء ۴۔ آیت ۷۹)

نیز ارشادِ الٰہی ہے:

"يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَكُمۡ بُرۡهَانٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكُمۡ نُوۡرًا مُّبِيۡنًا فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَ اعۡتَصَمُوۡا بِهٖ فَسَيُدۡخِلُهُمۡ فِىۡ رَحۡمَةٍ مِّنۡهُ وَ فَضۡلٍ وَّ يَهۡدِيۡهِمۡ اِلَيۡهِ صِرَاطًا مُّسۡتَقِيۡمًا"

''اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آ چکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور بھی نازل کر دیا ہے۔ پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس سے وابستہ ہوئے، انہیں وہ اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور انہیں اپنی طرف آنے کا سیدھا راستہ دکھائے گا۔''

(سورۂ نساء ۴۔ آیت ۱۷۴، ۱۷۵)

عقیدۂ توحید سے ایک مفہوم یہ بھی حاصل ہوتا ہے کہ تمام انسان غیر خدا کی غلامی اور بندگی کی قید سے آزاد ہیں، اور اس سے مراد یہ ہے کہ انسان صرف اور صرف خدا کی عبادت اور بندگی کے پابند ہیں۔

ایسے انسان جو خدا کے سوا کسی اور کی کسی بھی قسم کی (فکری، ثقافتی، اقتصادی، سیاسی) غلامی اور بندگی کا شکار ہوں، اگر عبادت اور بندگی کے وسیع مفہوم کو پیش نظر رکھا جائے، تو وہ اپنی ہی طرح کے انسانوں کی غلامی اور بندگی میں گرفتار ہیں، ان لوگوں نے خدا کے ہمتا اور رقیب بنالیے ہیں۔ توحید اس طرز زندگی کی نفی کرتی ہے، انسان کو صرف خدا کا بندہ قرار دیتی ہے اور اسے ہر اس انسان، نظام اور کلی طور پر اس پر مسلط شدہ ایسے ہر عامل سے آزاد کراتی ہے جو اس کی زندگی میں خدا کی جگہ مرکز و محور کی حیثیت اختیار کر گیا ہو۔

پس توحید کے معنی یہ ہیں کہ انسان صرف اور صرف خدا کی فرمانروائی قبول کرے، اور خدا کے سوا ہر کسی کی فرمانروائی کو مسترد اور اس کا انکار کرے، خواہ وہ کسی بھی رنگ، صورت اور لباس میں ہو۔

''اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ''

''اقتدار تو صرف اللہ ہی کا ہے اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو یہی مستحکم اور سیدھا دین ہے۔'' (سورۂ یوسف ۱۲۔ آیت ۴۰)

''وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ''

''اور آپ کے پروردگار کا فیصلہ ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرنا۔''

(سورۂ بنی اسرائیل ۱۷۔ آیت ۲۳)

اس بنیاد پر اس کے معنی انسان کو اہمیت اور تکریم دینا بھی ہیں۔ انسان اس قدر عظمت اور بزرگی کا مالک ہے کہ انتہائی پست بات ہوگی اگر وہ خدا کے سوا کسی اور کے سامنے عجز و نیاز اور بندگی کا اظہار کرے۔ صرف اُسی کی ہستی مطلق اُسی کا کمال مطلق اور اُسی کی زیبائی مطلق اس بات کی حقدار ہے کہ انسان اُس کی حمد و ثنا کرے اور اس کے حضور عشق و عقیدت اور عجز و نیاز کا اظہار کرے۔ اس عظمت کے سامنے تسلیم ہونا خود عظمت کا ایک مرتبہ ہے۔ اس ذات متعال کے سوا کسی کو اور کسی شئے کو یہ مرتبہ حاصل نہیں کہ انسان اُس کی حمد و ثنا کرے۔ وہ تمام جامد اور جاندار بت جنہوں نے اپنے آپ کو انسان کے ذہن، قلب اور تن پر مسلط کیا ہے اور انسانی زندگی کی الٰہی قلمرو کی حدود میں غاصبانہ تصرف کیا ہے، وہ غلیظ اشیا اور غلاظتیں ہیں جنہوں نے انسان کو اپنی فطری طہارت اور پاکیزگی سے محروم کر کے اُسے ذلت و رسوائی سے دوچار کیا ہے۔

انسان کو چاہیے کہ اپنے بلند اور اعلیٰ مرتبے کی بازیابی کے لیے ان بتوں سے منہ پھیرے اور اپنے آپ کو ان کی بندگی کی ذلت اور غلاظت سے پاک کرے۔

مادیت پر مبنی انسان دوستی کا کوئی بھی نظریہ انسان کی عظمت، احترام اور اُس کے مقام کو اس اچھے انداز اور گہرائی کے ساتھ پیش نہیں کر سکا ہے، جس طرح اسے اسلام نے پیش کیا ہے:

'' فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ''

''پس تم لوگ ناپاک بتوں سے اجتناب کرتے رہو اور لغو اور مہمل باتوں سے پرہیز کرو، اللہ کے لیے مخلص اور باطل سے کترا کر رہو اور کسی طرح کا

شرک اختیار نہ کرو اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے وہ گویا ایسا ہے جیسے آسمان سے گر گیا ہو پھر یا تو اسے پرندہ اُچک لیتا ہے یا ہوا اُڑا کر کسی دور دراز جگہ پر پھینک دیتی ہے۔'' (سورۂ حج ۲۲۔ آیت ۳۰، ۳۱)

"لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا"

''اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بنانا، کہ اس طرح قابلِ مذمت اور لاوارث بیٹھے رہ جاؤ گے۔'' (سورۂ بنی اسرائیل ۱۷۔ آیت ۲۲)

"وَ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِىْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا"

''اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بنانا، ورنہ ملامت اور ذلت کے ساتھ جہنم میں ڈال دیے جاؤ گے۔'' (سورۂ بنی اسرائیل ۱۷۔ آیت ۳۹)

توحید یعنی انسانی زندگی میں وحدت اور یکجہتی۔ انسانی زندگی فکر اور عمل سے مرکب ہے۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک یا ان دونوں میں سے کسی کا کوئی ایک حصہ خدا مخالف مراکز اور قوتوں کے زیرِ اثر آ جائے، تو حیدی ذہن غیر توحیدی حقیقت یا حقیقتِ توحیدی غیر توحیدی ذہنیت سے مخلوط (mix up) ہو جاتی ہے۔ ایسے انسان کی زندگی میں دو رخہ پن پیدا ہو جاتا ہے اور خدا کی عبودیت اور بندگی میں شرک کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں انسان گھڑی کی اُس سوئی کی مانند ہو جاتا ہے جو باہر سے کسی مقناطیس کی لہروں سے متاثر ہو کر اپنا محور کھو بیٹھتی ہے۔ ایسا انسان اگر فوراً ہی اپنے فطری محور اور راہ کی طرف لوٹ کر نہ آئے، تو بے راہ روی اور سرگردانی کا شکار ہو جاتا ہے۔ یعنی وہ اپنے درست فطری راستے اور صراطِ مستقیم سے منحرف ہو جاتا ہے۔

"اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ"

''کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان رکھتے ہو اور ایک کا انکار کرتے ہو؟ پس تم میں سے جو ایسا کرے، دنیاوی زندگی میں اُس کی سزا رسوائی کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے؟ اور (ایسے لوگ) آخرت میں سخت ترین عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔'' (سورۂ بقرہ ۲۔ آیت ۸۵)

توحید یعنی انسان کا اپنے اردگرد پھیلی ہوئی کائنات سے ہم آہنگ اور ہم قدم ہونا۔ اس وسیع و عریض کائنات میں خلقت کے بے شمار قوانین عمل اور ردِ عمل میں مصروف ہیں۔ کائنات کا چھوٹے سے چھوٹا ذرہ بھی ان قوانین کے دائرۂ عمل سے باہر نہیں۔ خلقت کے قوانین اور سنتوں کی اسی ہم آہنگی اور ہم نوائی کی بنا پر کائنات میں ایک دلنشیں نظم وجود میں آتا ہے۔ انسان بھی اسی مجموعے کا ایک جز اور اِس کے عام اور خاص قوانین کے تابع ہے، اور اس حال میں وہ دوسرے مظاہرِ کائنات کے لیے مقرر قوانین سے بھی متناسب اور ہم آہنگ ہے۔

لیکن انسان دوسرے موجوداتِ کائنات کے برخلاف (جو بلا چوں و چرا اپنی طبیعی اور فطری راہ پر گامزن ہیں) ارادے اور انتخاب کی قوت کا مالک ہے۔ اُس پر لازم ہے کہ وہ اپنی فطری اور طبیعی راہ کو اپنے آزادانہ انتخاب کے ساتھ طے کرے۔ اور یہی اُس کی ترقی اور کمال تک پہنچنے کا راز ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس فطری راہ سے انحراف بھی کر سکتا ہے۔

"فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ"

''پس جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کافر ہو جائے۔'' (سورۂ کہف ۱۸۔ آیت ۲۹)

عقیدۂ توحید انسان کو اُس کے لیے مخصوص طبیعی اور فطری راستے کی پیروی کی دعوت دیتا ہے، جس میں وہ پوری کائنات سے ہم قدم ہے۔ انسان کو جو خود کائنات کا ایک بنیادی

عضو ہے کوشش اور عمل میں اس کائنات کے ساتھ جوڑتا ہے اور اس وسیع و عریض کائنات میں مطلق وحدت اور یک سوئی پیدا کرتا ہے۔

"اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ"

"کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کے خواہاں ہیں؟ جبکہ آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوقات بہ رضا و رغبت یا بہ جبر و اکراہ اسی کی بارگاہ میں سرِ تسلیم خم کیے ہوئے ہیں اور سب کو اسی کی بارگاہ میں واپس جانا ہے۔"

(سورۂ آل عمران ۳۔ آیت ۸۳)

"اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِى الْاَرْضِ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ وَ النُّجُوْمُ وَ الْجِبَالُ وَ الشَّجَرُ وَ الدَّوَآبُّ وَ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ"

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، نیز سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، جانور اور بہت سے انسان اللہ کے لیے سجدہ کرتے ہیں۔" (سورۂ حج ۲۲۔ آیت ۱۸)

ج: اجتماعی (اقتصادی، سیاسی ۔۔۔) دستورِ عمل کے نقطۂ نظر سے

اس (عقیدۂ توحید) کی رو سے کائنات اور انسان سے متعلق تمام امور میں ہر قسم کی منصوبہ سازی اور ان امور کے نظم و نسق کی صلاحیت خدا کے سوا کسی اور کے پاس نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہی انسان اور کائنات کا خالق اور ان سے متعلق نظام کا بنانے والا ہے، ان کی صلاحیتوں اور ضروریات سے بھی آگاہ ہے، انسان کی روح اور اُس کے جسم میں پوشیدہ صلاحیتوں اور قوتوں سے بھی واقف ہے، اس وسیع و عریض کائنات میں موجود خزانوں، اُن

کی افادیت، اُن کے مصرف کی جگہوں اور ان سب کو یکجا کر کے کام لینے کے طریقوں سے بھی باخبر ہے۔

پس فقط وہی ہے جو انسان کے طرزِ حیات اور انسانوں کے درمیان باہمی تعلق کا لائحۂ عمل ترتیب دے سکتا ہے، وہی زندگی کے لیے قانونی اور اجتماعی نظام کے تعین کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اس حق کا خدا کے لیے مخصوص ہونا اُس کے خالقِ کائنات اور خداوند ہونے کا فطری اور منطقی نتیجہ ہے۔ پس انسانی زندگی کے لیے دستورِ عمل اور اس کے لیے راستے کے تعین میں دوسروں کی طرف سے کی جانے والی کسی بھی قسم کی دخل اندازی خدا کی حدود میں تجاوز، الوہیت کا دعویٰ اور شرک کا موجب ہے۔

"فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا"

"نہیں، تمہارے رب کی قسم یہ لوگ اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے باہمی تنازعات میں آپ کو منصف نہ بنائیں اور پھر جب آپ فیصلہ دے دیں تو وہ اپنے دلوں میں کسی قسم کی تنگی محسوس نہ کریں، بلکہ وہ (اسے) بخوشی تسلیم کر لیں۔" (سورۂ نساء ۴۔ آیت ۶۵)

"وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا"

"اور کسی مومن مرد یا عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اُس کا رسول کسی معاملے میں فیصلہ کر دیں تو وہ اس معاملے میں صاحبِ اختیار بن جائیں۔ اور جس نے بھی اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلی گمراہی میں مبتلا

ہو گیا۔'' (سورۂ احزاب ۳۳۔ آیت ۳۶)

عقیدۂ توحید انسانی معاشرے پر خدا کے سوا ہر ایک کی حاکمیت اور فرمانروائی کو مسترد کرتا ہے۔ انسان پر انسان کی حکومت اور فرمانروائی کو جب بھی کسی کے سامنے جوابدہی سے مبرا (exempt) ایک مطلق حق تصور کیا گیا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ لوگوں پر ظلم وتعدی کی صورت میں سامنے آیا ہے۔ معاشرے پر حاکم فرد یا کوئی گروہ صرف اسی صورت میں کجی، سرکشی اور ظلم وتعدی کے ارتکاب سے محفوظ رہ سکتا ہے جب اُسے یہ حاکمیت اور فرمانروائی کسی ماوراقوت نے سپرد کی ہو اور وہ اس حوالے سے اُس قوت کے سامنے جوابدہ ہو۔ دینی نظریے کی رو سے یہ ماوراقوت اللہ رب العزت ہے، جو وسیع اور بے پایاں علم کا مالک ہے۔

"لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ."

''اُس کے علم سے آسمانوں اور زمین کا کوئی ذرہ دور نہیں ہے۔''

(سورۂ سبا ۳۴۔ آیت ۳)

اُس کی صفاتِ قہر وجلال (جیسے شَدِیْدُ الْعِقَابِ، عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ وغیرہ) اُس کے منتخب کردہ اور اُس کی طرف سے منصوب کیے گئے لوگوں کے لیے کجی اور انحراف کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑتیں۔

"وَ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْیَمِیْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِیْنَ."

''اور اگر یہ پیغمبر کوئی بات گھڑ کر ہماری طرف منسوب کرتا، تو ہم اسے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے، پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے۔''

(سورۂ حاقہ ۶۹۔ آیت ۴۴ تا ۴۶)

وہ ''قوم'' اور ''رائے عامہ'' کی مانند نہیں جسے دھوکا دیا جاسکے یا جس پر سوار ہوا جاسکے اور کسی جماعت کی طرح نہیں کہ جسے جبر اور استبداد کا ذریعہ بنایا جاسکے اور منتخب افراد،

عمائدین اور سرداروں کی طرح نہیں جنہیں خریدا یا اپنے ساتھ شریک کیا جاسکتا ہے۔

ایک گہری اور باریک بین نگاہ میں: اگر انسانی زندگی کی ترتیب وتنظیم کے لیے لازم ہو کہ اس کا نظم سنبھالنے والی تمام قوتیں ایک ہی مرکز پر منتہی ہوں اور تمام امور کی باگ ڈور ایک ہی قوت قہریہ کے ہاتھ میں ہو (اور جیسا کہ ہے) تو یہ ہاتھ خالق کائنات اللہ رب العزت کے دستِ قدرتمند کے سوا کوئی اور نہیں ہوگا۔

پس انسان پر حکومت وفرمانروائی خدا کا مخصوص حق ہے، جو اُس کی طرف سے منصوب کیے گئے افراد (جو الٰہی آئیڈیالوجی میں مقرر اور متعین کیے گئے معیار اور پیمانوں پر سب سے زیادہ پورے اترتے ہوں) کے ذریعے بروئے کار آئے گا اور انہی کے ذریعے نظامِ الٰہی کی پاسداری اور قوانینِ الٰہی کا اجرا ہوگا۔

"قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِیًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ یُطْعِمُ وَ لَا یُطْعَمُ قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ."

''کہہ دیجیے کہ کیا میں آسمانوں اور زمین کے خالق اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا ولی بناؤں؟ اور وہی سب کو کھلاتا ہے، اُسے کوئی نہیں کھلاتا ہے۔ کہہ دیجیے کہ مجھے یہی حکم ہے کہ میں سب سے پہلا اطاعت گزار بنوں اور یہ (بھی کہا گیا ہے) کہ تم ہرگز مشرکین میں سے نہ ہونا۔'' (سورۂ انعام ۶۔ آیت ۱۴)

"اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ."

''تمہارا ولی تو صرف اللہ اور اُس کا رسول اور وہ اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے اور حالتِ رکوع میں زکات دیتے ہیں۔''

(سورۂ مائدہ ۵۔ آیت ۵۵)

"قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِکِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ "

''کہہ دیجیے کہ میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے پروردگار کی' جو تمام انسانوں کا حکمراں اور سارے انسانوں کا معبود ہے۔''

(سورۂ ناس ۱۱۴۔ آیت ۱ تا ۳)

عقیدۂ توحید کی رو سے پوری کائنات کی تمام نعمتیں اور اس میں موجود تمام وسائل خدا ہی کے ہیں۔ کوئی اور خود سے کسی بھی چیز کا مالک اور صاحبِ اختیار نہیں۔ ہر چیز بلندی اور کمال کی راہ میں استفادے اور مدد کے لیے' انسان کے پاس موجود ایک امانت ہے۔ یہ اجازت نہیں دی گئی ہے کہ جس انسان کو کائنات کی یہ نعمتیں حاصل ہیں (جو اس کائنات کے ہزار ہا مظاہر اور عناصر کی محنتوں کا حاصل ہیں) وہ انہیں تباہ و برباد کر ڈالے یا انہیں استعمال میں لائے بغیر یونہی فضول چھوڑ دے' یا انسان کے کمال کی بجائے کسی اور راہ میں انہیں استعمال کرے۔

جو کچھ انسان کے ہاتھ میں ہے (اگرچہ اسی کے لیے ہے) لیکن خدا کی عطا اور اُسی کا دیا ہوا ہے۔ پس اسے خدا کی مقرر کردہ راہ ہی میں استعمال کرنا چاہیے' درحقیقت اُس کی فطری اور اصل راہ میں' اُسی راہ میں جس کے لیے اُسے پیدا کیا گیا ہے۔ کسی بھی اور راہ میں اس سے استفادہ اور کسی بھی اور مقصد کے لیے اسے صرف کرنا اُسے اس کی فطری راہ سے منحرف کرنا (فساد) ہے۔

خدا کی رنگارنگ نعمتوں کے مقابل انسان کا فریضہ یہ ہے کہ وہ ان سے صحیح اور درست استفادہ کرے۔ البتہ اس سے پہلے انہیں زندہ کرنا اور کمال تک پہنچانا بھی اس کی ذمے داری ہے۔

"قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِیْهَآ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ۔"

''کہیے کہ یہ زمین اور جو کچھ اس پر (آباد) ہے وہ کس کا ہے' اگر تم جانتے ہو (تو بتاؤ)؟ وہ کہیں گے کہ اللہ کا ہے' تو کہیے کہ پھر تم سوچتے کیوں نہیں ہو؟''

(سورۂ مومنون ۲۳۔ آیت ۸۴' ۸۵)

"هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔"

''وہ وہی اللہ ہے جس نے زمین میں موجود ہر چیز کو تمہارے لیے پیدا کیا ہے۔'' (سورۂ بقرہ ۲۔ آیت ۲۹)

"قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ هُوَ اَنْشَاَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَکُمْ فِیْهَا۔"

''انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو' اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' اسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اس میں آباد کیا ہے۔''

(سورۂ ہود ۱۱۔ آیت ۶۱)

"وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَ یَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ اُولٰٓئِکَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ۔"

''اور جو لوگ اللہ سے عہد کر لینے کے بعد اُسے توڑ ڈالتے ہیں اور اللہ نے جن لوگوں سے تعلقات کا حکم دیا ہے اُن سے قطع تعلق کر لیتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں' اُن کے لیے لعنت ہے۔''

(سورۂ رعد ۱۳۔ آیت ۲۵)

عقیدۂ توحید کائنات میں موجود نعمتوں پر تمام انسانوں کے یکساں حق کا قائل ہے۔ تمام مواقع اور وسائل پر سب انسان مساوی حق رکھتے ہیں۔ اس وسیع دسترخوان سے ہر انسان کو بقدرِ ضرورت اور اپنی جدوجہد اور عمل کے مطابق استفادے کا حق حاصل ہے۔ اس بے پایاں کائنات کا کوئی بھی حصہ کسی کے لیے مخصوص اور دوسروں کے لیے ممنوع نہیں

ہے۔ تمام انسان اس کائنات سے گوناگوں فوائد حاصل کرنے کے لیے اپنا عزم و ہمت آزما سکتے ہیں۔ یہ موقع صرف کسی خاص قوم قبیلے' کسی خاص جغرافیے اور تاریخ میں زندگی بسر کرنے والے انسانوں' حتیٰ کسی خاص دین کے پیروکار افراد کے لیے مخصوص نہیں ہے۔

"هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا"

"وہ وہی اللہ ہے جس نے زمین میں موجود ہر چیز کو تمہارے لیے پیدا کیا ہے۔" (سورۂ بقرہ ۲۔ آیت ۲۹)

مزید یہ کہ:

"وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَکُمْ فِیْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْکُلُوْنَ وَ لَکُمْ فِیْهَا جَمَالٌ حِیْنَ تُرِیْحُوْنَ وَ حِیْنَ تَسْرَحُوْنَ وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَکُمْ....."

"اور اس نے مویشیوں کو بھی پیدا کیا ہے' جن میں تمہارے لیے گرم لباس اور دوسرے فوائد کا سامان ہے' اور بعض کو تو تم کھاتے بھی ہو اور انہی میں تمہارے لیے زینت کا سامان ہے جب تم انہیں شام کو واپس لاتے ہو اور صبح کو چراگاہ کی طرف لیجاتے ہو اور یہ حیوانات تمہارے بوجھ کو اٹھاتے ہیں۔۔۔" (سورۂ نحل ۱۶۔ آیت ۵ تا ۷)

"هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّکُمْ ..... یُنْۢبِتُ لَکُمْ بِهِ الزَّرْعَ ..... وَمَا ذَرَاَ لَکُمْ فِی الْاَرْضِ ..... وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْکُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا....."

"وہی ہے جس نے تمہارے لیے آسمان سے پانی برسایا ہے۔۔۔ جس سے وہ تمہارے لیے کھیتیاں آباد کرتا ہے۔۔۔ اور جو کچھ تمہارے لیے اس زمین میں پیدا کیا۔۔۔ اور اسی نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کیا تا کہ تم اس

میں سے تازہ گوشت کھا سکو۔" (سورۂ نحل ۱۶۔ آیت ۱۰ اور ۱۱' ۱۳ اور ۱۴)

سورۂ نحل کی ابتدائی آیات میں مسلسل انسانوں سے خطاب ہے' کسی خاص قوم و قبیلے سے نہیں جیسے کہ: وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىکُمْ اَجْمَعِیْنَ (اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ راست پر لے آتا۔ سورۂ نحل ۱۶۔ آیت ۹) یا اِلٰهُکُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (تمہارا معبود صرف ایک ہے۔ سورۂ نحل ۱۶۔ آیت ۲۲)

☆☆☆

جو کچھ اب تک عرض کیا گیا ہے' وہ توحید کے وسیع و عمیق اور کئی جہات اور پہلوؤں پر مشتمل مفاہیم کا صرف ایک مختصر سا حصہ ہے۔ انہی مختصر اشارات کے ذریعے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ توحید صرف ایک فلسفی' ذہنی اور غیر عملی نظریہ نہیں جسے زندگی کے سیاہ و سفید سے کوئی سروکار نہ ہو' جو سماجی زندگی کی ترتیب و تنظیم' انسان کے لیے سمت اور منزل کے تعین اور دنیا میں جو کچھ اُسے کرنا چاہیے اُس کے لیے اسے کوشش اور عمل پر اُبھارنے میں دخل نہ رکھتا ہو اور محض اسی پر منحصر ہو کہ لوگوں سے ایک عقیدہ چھڑا کے اُس کی جگہ انہیں دوسرا عقیدہ دے دیا جائے۔

ایک طرف یہ ایک تصورِ کائنات ہے' کائنات' انسان اور کائنات کے دوسرے موجودات کے تعلق سے انسان کے مقام' تاریخ میں اُس کی حیثیت' اُس میں پائی جانے والی صلاحیتوں' اُس کی ضرورتوں' خواہشات' اور آخر کار اُس کے مقصد اور اُس کے نقطۂ اوج و کمال کے بارے میں ایک مخصوص نظریہ ہے۔

دوسری طرف یہ ایک اجتماعی مکتب ہے' انسان کے لیے موزوں اور مناسب ماحول کا ایک نقشہ اور منصوبہ پیش کرتا ہے' ایک ایسا ماحول جس میں وہ سرعت اور سہولت کے ساتھ نشو و نما پائے اور اپنے مخصوص کمال اور بلندی تک پہنچے' یہ معاشرے کے لیے بنیادی خطوط اور اساسی اصول متعین کر کے ایک مخصوص خاکہ اور ڈھانچہ پیش کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب اسے جاہلی اور طاغوتی معاشروں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے (ایسے معاشرے جن کی عمارت انسان سے لاعلمی اور حقیقی انسانی اقدار کی پامالی کی بنیاد پر قائم کی گئی ہے) تو یہ اُن میں تبدیلی کا پیش خیمہ ہوتا ہے' مردہ دلوں اور بیمار روحوں میں ایک انقلاب بپا کرتا ہے اور جامد معاشروں میں ایک تلاطم پیدا کر دیتا ہے۔ اُن بے ترتیب معاشروں میں ترتیب کا موجب ہوتا ہے' ایسے معاشروں کی روحانی' اقتصادی اور سماجی بنیادوں اور اخلاقی اور انسانی اقدار میں تغیر اور تبدیلی کا باعث ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ اُن کی اس موجودہ حالت (status quo)' اس حالت میں اُن پر مسلط اور اس حالت کی نگہبان قوتوں اور اُس فضا کے خلاف ایک مزاحمت (resistance) ہے جو اس صورتحال کی نشوونما کا سبب اور اسے غذا فراہم کرتی ہے۔

پس توحید کسی نظری (theoretical) مسئلے یا عمل کے محدود دائرے کی حد تک نہ صرف کوئی نیا جواب نہیں' بلکہ انسان کے سامنے ایک نیا راستہ بھی ہے' جو اگرچہ ایک ذہنی اور نظری تحلیل پر تکیہ کرتا ہے لیکن اسے پیش کرنے کا مقصد عمل کرنے اور زندگی گزارنے کے لیے ایک علیحدہ اسلوب کی نشاندہی کرنا ہے۔

اسی تعبیر کی بنا پر ہمارا عقیدہ ہے کہ توحید دین کی اساس اور اُس کی بنیاد کا وہ پتھر ہے جس پر دین کے تمام ستون کھڑے ہیں۔

ایک ایسا نظریہ جو صرف ماوراءِ طبیعت (Metaphysical) کے بارے میں ایک نقطۂ نظر اور زیادہ سے زیادہ ایک اخلاقی اور عرفانی تھیوری شمار ہوتا ہو' اُس کی حیثیت ایک نحیف جسم سے زیادہ کچھ اور نہ ہوگی' لہٰذا وہ ایک سماجی نظریے کے طور پر اسلام کی زندگی ساز آئیڈیالوجی کا بوجھ اپنے کاندھوں پر نہیں اٹھا سکے گا۔

البتہ ہمیشہ ایسے لوگ رہے ہیں جو توحید اور خداوند عالم کی ذات پر عقیدہ رکھنے کے باوجود اس عقیدے کے اجتماعی اور عملی (بالخصوص اجتماعی) پہلو کی طرف سے غافل رہے

ہیں' یا انہوں نے جانتے بوجھتے اسے نظر انداز کیا ہے۔ ان خوش عقیدہ لوگوں نے ہر زمانے اور تمام حالات میں ایسے زندگی بسر کی ہے جیسے توحید پر عقیدہ نہ رکھنے والا ایک فرد زندگی گزارتا ہے۔ یعنی اس اعتقاد نے اُن میں کبھی بھی اپنے گرد و پیش موجود غیر توحیدی فضا کے بارے میں ناگواری کا احساس پیدا نہیں کیا ہے' اور شرک کی متعفن' سنگین اور گھٹن زدہ فضا کو اُن کے لیے ناقابلِ برداشت نہیں بنایا ہے۔

طلوعِ اسلام کے دور میں' مکہ میں (جو بت پرستی کا مرکز اور عربوں کے نام ور بتوں کا دارالحکومت تھا) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دینِ حنیف کے ماننے والے بھی پائے جاتے تھے' لیکن کیونکہ ان کی نظر میں توحید محض فکر و قلب میں منحصر اور زیادہ سے زیادہ انفرادی کردار اور عمل تک محدود تھی' لہٰذا اُس دور کی فکری اور اجتماعی فضا میں اُن کا وجود کوئی معمولی سا اثر بھی نہیں رکھتا تھا۔ اُس جاہلی گمراہی کے معاشرے میں اُن کی موجودگی کا احساس تک نہ ہوتا تھا اور اُن میں اس افسوس ناک زندگی کے بارے میں کوئی بے چینی اور پریشانی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ سب ہم پیالہ اور ہم نوالہ تھے اور موحد کہے جانے والے لوگ بھی بغیر کسی اضطراب اور بلا کسی خلش کے اُن (مشرک و کافر لوگوں) کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ اُنہی کی طرح اور اُنہی قبیح رسوم و رواج کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔ توحید کو محض ایک ذہنی مسئلہ سمجھنا اور اُس کا یہی تصور اُن لوگوں کے غیر مؤثر اور زندگی بالخصوص اجتماعی زندگی میں فعال کردار ادا نہ کرنے کا سبب تھا۔

ان حالات میں اسلام کا نظریہ توحید ایک ایسے طرزِ تفکر کے طور پر سامنے آیا جس کا مقصد زندگی کو ایک خاص نظم دینا اور معاشرے کے لیے ایک جداگانہ نظام پیش کرنا تھا اور اس نے پہلے ہی قدم پر اپنے تمام مخاطبوں کے سامنے (خواہ وہ اسے قبول کرتے ہوں خواہ اس کا انکار کرنے والے ہوں) اپنی ماہیت (nature) کو ایک انقلابی دعوت کے طور پر آشکار کیا۔ سب نے جان لیا کہ یہ پیغام ایک نیا اجتماعی' اقتصادی اور سیاسی نظام ہے جو کسی

صورت آج دنیا میں جو کچھ رائج ہے نہ اُس سے سازگار ہے اور نہ اُس کے ساتھ چل سکتا ہے۔ یہ موجودہ صورتحال (status quo) کو مسترد کرتا ہے' اور معاشرے کو ایک اور طرح کے اوصاف وخصوصیات کا مالک دیکھنا چاہتا ہے۔

اس پیغام کی اسی صراحت اور اس کے ہر قسم کے ابہام سے عاری ہونے کی بنا پر اس سے موافق اور اسے قبول کرنے والے لوگوں نے مشتاقانہ اس کا استقبال کیا' اس کے لیے جانثاری کا مظاہرہ کیا۔ اور اسی بنا پر اس کے مخالفین اور اس کا راستہ روکنے والوں نے وحشیانہ انداز میں اس کا مقابلہ کیا اور روز بروز اپنی سخت گیری میں اضافہ کرتے چلے گئے۔

یہ تاریخی حقیقت تاریخ کے ہر دور میں دعوائے توحید کی درستی یا نادرستی جانچنے کا ایک معیار ہوسکتی ہے۔ جب کبھی یہ دعویٰ ایسے لوگوں کی طرف سے کیا جائے جن کی حالت ظہورِ اسلام سے قبل کے موحدین کی سی ہو' تو بہت ہی مشکل سے اُن میں توحید کے وجود کا یقین کیا جاسکتا ہے۔ ایسی توحید جس میں صلح کل پائی جائے' ایسی توحید جو خدا کے تمام رقیبوں اور اُس کے ہمتا بنائے گئے عناصر سے بنا کے رکھے' ایسی توحید جو محض ذہن میں قبول کیا ہوا ایک فرضیہ ہو' وہ انبیا کی پیش کردہ توحید کے ایک جعلی نسخے سے زیادہ کچھ نہیں۔

اگر اُس (اوّل الذکر) قسم کی توحید کی جانب انبیا کی دعوت میں اثر آفرینی پائی جاتی تھی' تو یہ ایک قدرتی بات تھی۔

اس طرزِ فکر کی روشنی میں ہم صدرِ اسلام کے اسلام کے نفوذ (influence)' تیزی کے ساتھ اس کے پھیل جانے اور اس کے غلبے اور بعد کے اسلام کے زوال' انحطاط اور پچھڑ جانے کی وجوہات اچھی طرح جان سکتے ہیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کے سامنے توحید کو ایک دستور کے طور پر پیش کیا۔ جبکہ بعد کے دور کے مسلمانوں نے اسے بحث وجدال کی محافل میں ایک نظریے کے بطور پیش کیا' وہاں یہ کائنات کے بارے میں ایک نیا طرزِ تفکر اور زندگی میں حرکت اور

عمل کے لیے ایک جدید تھیوری تھی اور یہاں اوقاتِ فراغت کے لیے علمِ کلام کی موشگافیوں کا ایک موضوع۔ وہاں توحید کو اُس نظام کی بنیاد اور تمام اجتماعی' اقتصادی اور سیاسی روابط کا محور شمار کیا جاتا تھا' لیکن بعد کے (مسلمانوں کے) اجتماعی نظام میں اس کی حیثیت محض نمائشی رہ گئی' آرٹ کے ایک ایسے نمونے کی حیثیت اختیار کرگئی جس کی شمولیت کے بغیر آرٹ گیلری مکمل قرار نہیں دی جاتی۔ کیا ایک اضافی اور رسمی (formal) چیز سے کسی فعال اور تعمیری کردار کی توقع کی جاسکتی ہے؟

جو کچھ ہم نے عرض کیا وہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ عملی زاویۂ نظر سے توحید معاشرے کے لیے ایک فریم' خاکہ اور زندگی گزارنے کے ایک اسلوب کی حیثیت رکھتی ہے۔ مجموعی طور پر اسے اس نظام کا بولتا عنوان سمجھنا چاہیے جسے اسلام نے انسان کی زندگی کے لیے موزوں قرار دیا ہے اور اُسی کے سائے میں انسان کی ترقی اور کمال کو ممکن سمجھا ہے۔

اسی طرح نظری (theoretical) زاویۂ نگاہ سے یہ ایک ایسا نظریہ ہے جسے اسلامی نظام کی فلسفی بنیاد شمار کیا جاتا ہے جو اس کی توجیہ کرتا اور اس کا فلسفہ بیان کرتا ہے۔

☆☆☆

قارئین کی خدمت میں یہ نکات واضح کرنے کے بعد اب ہم اپنے مضمون کی ابتدا کی جانب پلٹ سکتے ہیں اور مسئلے کا اُس مخصوص زاویے (angle) سے جائزہ لے سکتے ہیں جو اس گفتگو میں ہمارے پیشِ نظر ہے۔

ہم عرض کرچکے ہیں کہ شعارِ توحید کی سب سے پہلی مخالفت معاشرے کے طاقتور طبقات اور سرداروں کی طرف سے ہوئی۔ اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس شعار کی (سب سے پہلی اور سب سے کاری) ضرب معاشرے پر مسلط اور مقتدر طبقے (بقول قرآن طبقۂ مستکبرین) پر پڑی۔ ہم نے عرض کیا تھا کہ جب کبھی بھی دعوتِ توحید نے معاشرتی میدان میں قدم رکھا ہے' اُس نے معاشرے پر مسلط اور مستکبر طبقے کے حوالے

سے اپنا نقطۂ نظر واضح رکھا ہے اور اس کی وجہ سے اُسے معاشرے کے دو متضاد طبقوں کی جانب سے دو متضاد طرح کے ردِعمل کا سامنا کرنا پڑا ہے' مستکبرین کی طرف سے انکار اور مخالفت کے ردِعمل کا اور مستضعفین کی طرف سے قبولیت اور حمایت کے ردِعمل کا۔

اور آخر کار ہم نے کہا تھا کہ یہ دو طرح کے ردِعمل درحقیقت اصل اور سچی توحید کی علامت اور خاصیت ہے۔ یعنی ہر دور میں ایسا ہوا ہے اور مستقبل میں بھی جب کبھی توحید اپنے اصل مفہوم اور واقعی شکل میں پیش کی جائے گی تو لازماً ایک دوسرے کے مخالف یہ دو طرح کے مؤقف اور یہ دو طرح کی صف بندیاں اس کے ساتھ ساتھ ہوں گی۔

اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ توحید کے مشمولات اور اس کے مختلف پہلوؤں میں وہ کونسی چیز ہے جو براہِ راست مستکبر طبقے کے مفادات' بلکہ اُس کے وجود ہی سے متصادم ہے؟ بالفاظ دیگر مستکبر طبقہ کائنات کے بارے میں کس توحیدی نظریے یا معاشرے کے بارے میں کس توحیدی فکر کو اپنے نقصان میں سمجھتا ہے' جس کی وجہ سے اُس کے خلاف اس قدر کھلی محاذ آرائی اور ایسی بے دردی سے جنگ کرتا ہے؟

قرآن کریم نے مستکبرین کی جو چہرہ نمائی کی ہے' وہ اس نکتے کو سمجھنے میں ہماری بہت زیادہ معاون ثابت ہوسکتی ہے۔ قرآن نے (چالیس سے زیادہ مقامات پر) مستکبرین کی تصویر کشی کی ہے' اور ان کی نفسانی خصوصیات' اُن کے سماجی مقام' زراندوزی سے اُن کی دلچسپی اور اُن کی جاہ طلبی کا تذکرہ کیا ہے۔ مستکبرین کو ہم مجموعی طور پر درج ذیل خصوصیات کا مالک پاتے ہیں

وہ خدا کو اس مفہوم میں جس کی ترجمانی "لا الہ الا اللہ" کے ذریعے ہوتی ہے (یعنی وہی تنہا مکمل اقتدار اور مالکیت کا مالک ہے) مسترد کرتے ہیں' جبکہ ایک ذہنی' رسمی اور محدود دائرے کی حامل حقیقت کے مفہوم میں نہیں۔

"اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ۔"

"جب اُن سے کہا جاتا تھا کہ "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے" تو وہ تکبر {کا مظاہرہ} کرتے (اور یہ بات نہیں مانتے) تھے۔"

(سورۂ صافات ۳۷۔ آیت ۳۵)

فضیلت کے کسی معیار اور پیمانے پر پورے نہ اترنے کے باوجود اپنے آپ کو دوسروں سے افضل و برتر سمجھتے تھے۔ اور اپنے اس دعوے کے لیے جاہلانہ معیارات جیسے طاقتوری اور دولتمندی کا سہارا لیتے تھے۔

"فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً..."

"زمین میں ناحق بڑائی جتانے لگے اور (اپنے مؤقف کی توجیہ کے لیے) کہنے لگے کہ کون ہے جو ہم سے بڑھ کر طاقتور ہو؟"

(سورۂ فصلت ۴۱۔ آیت ۱۵)

اسی خیال باطل کی بنا پر وہ لوگ آیات الٰہی کا انکار کرتے' جو ایک نئے نظام کا پیغام دینے والی اور سچے معیارات کا تعین کرنے والی ہیں۔

"وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِىْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ"

"اور جب اسے ہماری آیات سنائی جاتی ہیں' تو وہ تکبر کے ساتھ اس طرح منہ موڑ لیتا ہے جیسے اُس نے انہیں سنا ہی نہ ہو' گویا اُس کے دونوں کان بہرے ہیں۔ پس اُسے دردناک عذاب کی بشارت دے دیں۔"

(سورۂ لقمان ۳۱۔ آیت ۷)

ان لوگوں نے انقلاب و تبدیلی اور نجات و آزادی کے لیے پیغمبر کی دعوت کے مقابل انکار اور تکذیب کا مؤقف اختیار کیا' اور اس کے خلاف یہ بہانے بنا کر اٹھ کھڑے ہوئے کہ "اگر ان کی بات درست ہوتی' تو ہم پہلے ہی اسے بجھ چکے ہوتے" اور "خدا کو

چاہیے کہ وہ براہِ راست ہمیں مخاطب کرے''۔

''وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ''

''جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے' وہ ایمان لانے والوں سے کہتے ہیں کہ اگر یہ دین بہتر (درست) ہوتا' تو یہ لوگ اس کی طرف جانے میں ہم پر سبقت نہ لے پاتے۔'' (سورۂ احقاف ۴۶۔ آیت ۱۱)

''وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ''

''اور جب ان کے پاس کوئی آیت آتی ہے' تو کہتے ہیں کہ ہم اُس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک پیغامِ الٰہی خود ہم پر نازل نہ ہو۔''

(سورۂ انعام ۶۔ آیت ۱۲۴)

ان لوگوں نے دعوتِ توحید کے بانی اور رہبر کو جاہ طلب اور مفاد پرست قرار دینے کی کوشش کی اور اس طریقے سے' نیز کہنہ اور بوسیدہ سنتوں کا سہارا لیتے ہوئے (جو اُس وقت کے پورے معاشرے پر مسلط تھیں) لوگوں کے درمیان دعوتِ توحید کے اثرات اور اُس کی افادیت کو کم کیا۔

''قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ''

''اُن لوگوں نے (موسیٰ کو خطاب کرکے) کہا' کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو تاکہ ہمیں اپنے آباؤ اجداد کی سنتوں سے برگشتہ کرو اور ملک میں تم دونوں (یعنی موسیٰ اور ہارون) کی بالادستی قائم ہو جائے؟ ہم کسی صورت تمہاری دعوت قبول نہیں کریں گے۔'' (سورۂ یونس ۱۰۔ آیت ۷۸)

ان لوگوں نے طاقت اور جھوٹ وفریب سے کام لے کر اور تسلط جمانے اور بیوقوف

بنانے کے مختلف ہتھکنڈے استعمال کرکے لوگوں کو اپنی پسندیدہ راہ پر (غلامی استحصال اور بے قید و شرط اطاعت کی راہ پر) چلایا اور انہیں ہر نجات بخش دعوت کے خلاف مزاحمت اور اُس سے مقابلے پر آمادہ کیا۔ ان کی راہ میں ان کی پیروی کرنے والے لوگ روزِ قیامت کہیں گے:

''وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا''

''اور وہ کہیں گے کہ ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے سرداروں اور بزرگوں کی اطاعت کی تھی' پس اُنہوں نے ہمیں گمراہ کردیا۔''

(سورۂ احزاب ۳۳۔ آیت ۶۷)

''فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ''

''کمزور لوگ (قیامت میں) مستکبرین سے کہیں گے کہ ہم دنیا میں تمہاری پیروی کیا کرتے تھے' تو کیا آج تم ہمیں جہنم کے کچھ حصے سے بچا سکتے ہو؟''

(سورۂ مومن ۴۰۔ آیت ۴۷)

''قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ''

''فرعون کی قوم کے سرداروں نے (لوگوں کو مخاطب کرکے) کہا کہ یہ (موسیٰ) تو بڑا زبردست جادوگر ہے' جو اپنے جادو کے ذریعے تمہیں تمہارے وطن سے نکالنا چاہتا ہے' اب تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟''

(سورۂ اعراف ۷۔ آیت ۱۰۹'۱۱۰)

مختصر یہ کہ اُن لوگوں نے رسول اور اُن کی صف (camp) میں شامل لوگوں کو (جنہوں نے اُس مسلط شدہ نظام اور اُس زمانے کے لوگوں کے اذہان پر حاکم طرزِ فکر کے

خلاف بغاوت کا پرچم بلند کیا تھا اور اس صورتحال کو بدلنے پر کمربستہ تھے) اپنے شدید ترین حملوں کا نشانہ بنایا اور اُن کے خلاف اپنے گھناؤنے ترین اقدامات اور درندگی کے مظاہرے سے بھی دریغ نہ کیا۔

''قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ....''

''اصحاب اخدود ہلاک کردیے گئے' آگ سے بھری ہوئی خندقوں والے' جن کے کنارے بیٹھے ہوئے وہ مومنین کے ساتھ روا رکھے جانے والے اپنے سلوک کا مشاہدہ کر رہے تھے۔۔۔'' (سورۂ بروج ۸۵۔ آیت ۴ تا ۷)

''وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ''

''اور فرعون نے (اپنے مشاورین سے) کہا کہ مجھے چھوڑو' میں موسیٰ کو قتل کیے دیتا ہوں' اور وہ (جتنا چاہے) اپنے رب کو پکارے۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہارے دین کو (جو لوگوں کے اذہان پر مسلط ہے) بدل ڈالے گا' یا (لوگوں کو ہمارے خلاف بھڑکا کر) زمین میں فساد برپا کرے گا۔''

(سورۂ مومن ۴۰۔ آیت ۲۶)

یہ قرآن کریم کی چند آیات میں بیان کی گئی مستکبرین میں پائی جانے والی خصوصیات میں سے کچھ خصوصیات تھیں۔

قرآن کریم بعض مقامات پر اس تصویر کشی سے بھی آگے بڑھا ہے' اور اس نے مستکبرین کے طبقے کا مخصوص اور متعین گروہوں کی صورت میں یا ایسے جانے پہچانے افراد کی شکل میں تعارف کرایا ہے' جن میں سے ہر ایک ایک مخصوص اور متعین گروہ کا نمائندہ اور علامت ہے۔

''ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَ.....''

''پھر اُن کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اُس کی حکومت کے سرداروں کی طرف بھیجا' مگر اُنہوں نے (فرعون اور اُس کے ساتھیوں نے) تکبر کا مظاہرہ کیا۔'' (سورۂ یونس ۱۰۔ آیت ۷۵)

''وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ''

''اور قارون و فرعون و ہامان کو بھی یاد دلاؤ' جن کے پاس موسیٰ کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے' مگر اُنہوں نے زمین میں تکبر کا مظاہرہ کیا۔''

(سورۂ عنکبوت ۲۹۔ آیت ۳۹)

فرعون کو تو ہم جانتے ہیں۔ ''ہامان'' فرعون کا مشاورِ خاص' اور مصر کے سیاسی نظام میں فرعون کے بعد سب سے اہم (number one) شخص تھا۔ ''ملاء فرعون'' اسی نظام کے عمائدین اور سردار ہیں جو فرعونی نظام کے مشاورین' رہنما اور فرعون کے کاموں میں اُس کے معاون و مددگار ہیں۔ (ملاحظہ ہو سورۂ اعراف کی آیت ۱۲۷ اور دوسری آیات)

اور قارون وہی زراندوز' مال و دولت کا پجاری اور خزانوں کا مالک شخص ہے' جس کے سیم و زر سے بھرے خزانوں کی چابیوں کا بوجھ لحیم شحیم آدمیوں کے کاندھے جھکا دیا کرتا تھا۔

دسیوں آیات قرآنی نے مستکبرین کی جو تصویر کشی کی ہے' اُس کی روشنی میں اُن کی جو صورت سامنے آتی ہے وہ کچھ یوں ہے کہ: یہ جاہلی معاشرے پر مسلط ایک ایسا گروہ ہے' جس نے بغیر کسی استحقاق کے سیاسی اور اقتصادی طاقت اپنے ہاتھ میں لے رکھی ہوتی ہے' اور جو اس استحصال اور ظالمانہ تسلط کو قائم رکھنے کی غرض سے معاشرے کی ثقافت اور

اذہان پر حاکم عقیدوں پر بھی قبضہ جما لیتا ہے اور مختلف طریقوں سے لوگوں میں ایسی فکر پیدا کرتا ہے جو افراد معاشرہ کے اُس کے سامنے سرِ تسلیم خم ہونے یا موجودہ صورتحال سے سازگار ہو۔ اور خود کو حاصل ان امتیازات کی حفاظت کے لیے عقل و شعور اور بصیرت فراہم کرنے والی ہر دعوت (چہ جائیکہ وہ ایک تبدیلی اور انقلاب کی دعوت ہو) کے خلاف خم ٹھونک کر ایک مسلسل جنگ کا میدان گرم کر دیتا ہے۔ کیونکہ یہ جنگ اس کے لیے دراصل زندگی اور موت کی جنگ کی حیثیت رکھتی ہے۔

☆☆☆

اب ہم اصل نکتے کی جانب واپس آتے ہیں:

انبیا توحید کو کس طرح پیش کیا کرتے تھے؟

انبیا کی طرف سے اس شعار کو پیش کرنے کا انداز (جو اُن کے مکتب کی اہم ترین بنیادوں کو نمایاں کرتا ہے) بآسانی اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ توحید کا کونسا مفہوم مستکبرین کے لیے ناقابلِ برداشت ہے؟ اور دوسرے یہ کہ اس کے ناقابلِ برداشت ہونے کی وجہ کیا ہے؟ اور آخر کیوں یہ گروہ توحید کو (جب وہ اس مفہوم کے ساتھ پیش کی جاتی تھی) برداشت نہیں کر پاتا تھا؟

اس بات سے تو ہم سب واقف ہیں کہ نعرۂ توحید تمام انبیا کی دعوت کا اوّلین اقدام ہوا کرتا تھا۔ قُولُوا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوا (کہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تاکہ فلاح پا جاؤ) پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے جاری ہونے والا معروف اور مسلّم جملہ ہے۔

اسی طرح يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ۔ (اے میری قوم کے لوگو! خدا کی عبادت کرو، اُسکے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ سورۂ ہود ۱۱۔ آیت ۸۴) وہ جملہ ہے جو حضرت نوح، ہود، صالح، شعیب اور دوسرے انبیا علیہم السلام کی زبانوں پر جاری ہوا، اور

اسے ان انبیا کی دعوت کی تمہید کے عنوان سے قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔

جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں ان نعروں میں سب سے پہلے غیر خدا کی بندگی سے انکار پر زور دیا گیا ہے، اور اسی اعتبار سے توحید کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔

انبیا اس شعار کے ذریعے جاہلی اور طاغوتی نظام کی سیاہ کیچڑ میں غلطاں بے خبر اور غافل افراد کو انتباہ کرتے ہیں، اور انہیں خدا کے سوا کسی بھی دوسری طاقت اور ہستی کی عبادت سے روکتے ہیں۔ یوں درحقیقت وہ اپنی دعوت کا آغاز الوہیت اور خدائی کے جھوٹے دعویداروں کے خلاف اعلانِ جنگ سے کرتے ہیں۔

کسی معاشرے میں کون لوگ الوہیت اور خدائی کے دعویدار ہوتے ہیں؟

خدائی کے دعویدار لوگوں کے خلاف جنگ سے کیا مراد ہے؟

انبیا لوگوں کو کس قسم کے معاشرے کی نوید دے کر موجودہ صورتحال سے مقابلے پر آمادہ کرتے ہیں۔ یعنی وہ معاشرہ جس کا وعدہ انبیا لوگوں سے کرتے ہیں، وہ کن خصوصیات کا مالک ہوتا ہے؟

عام طور پر جب کسی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ "خدائی کا دعویدار" ہے، تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو "خدا" یعنی اُس غالب ترین اور سب سے عظیم قدرت کا مصداق سمجھتا ہے، جس کا انسان تاریخ کے ہر دور میں معتقد رہا ہے، اور اس تصور کا مالک رہا ہے۔

یہ ایک سطحی اور عامیانہ خیال ہے۔

البتہ ایسے سرکش اور بے عقل افراد کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا جنہوں نے سیاسی اور سماجی قوت و قدرت کا مالک ہونے کی بنا پر اپنے سے بھی زیادہ بے عقل لوگوں کو یہ باور کرا دیا تھا کہ وہ بعض خدائی اوصاف کے مالک ہیں۔ لیکن قرآنِ کریم میں عبادت، ربوبیت اور الوہیت جیسی اصطلاحات کے وسیع معنی کو مدِ نظر رکھا جائے تو اس نتیجے تک پہنچا جا سکتا ہے

کہ ''الوہیت کے دعویداروں'' کے مفہوم کا دائرہ اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔

قرآن کریم میں جن مقامات پر ''عبادت'' کا مادہ استعمال ہوا ہے اُن مقامات کو پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عبادت کے معنی انسان یا کسی بھی دوسرے موجود کی بے چوں و چرا اطاعت اور غیر مشروط طور پر اُس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا ہے۔

جب ہم اپنے آپ کو کسی کے سپرد کر دیں' بغیر کسی قید و شرط کے اُس کے سامنے اپنا سر جھکا دیں اور اُس کی خواہش' فرمان اور ارادے سے جنبش کریں' تو اس طرح ہم اُس کی بندگی اور عبادت کرتے ہیں۔ کوئی بھی عامل اور طاقت (خواہ وہ ہمارے اپنے وجود اور شخصیت کے اندر سے ہو اور خواہ ہمارے وجود کے باہر سے مختلف عوامل ہوں) جس نے ہمیں رام کر لیا ہو' اپنا مطیع بنا لیا ہو اور ہماری روح اور جسم کو اپنی گرفت میں لے لیا ہو اور جو ہماری توانائیوں کو اپنے مقاصد کے لیے کام میں لیتا ہو اُس نے ہمیں اپنا ''عبد'' بنا لیا ہے۔ مندرجہ ذیل آیات میں اس کی مثالیں پیش کی گئی ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی دعوت کے آغاز میں غضبناک لہجے میں فرعون کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

''وَ تِلْکَ نِعْمَةٌ تَمُنُّھَا عَلَیَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ''

''کیا تیرا بنی اسرائیل کو اپنا عبد بنا لینا کوئی لطف و کرم تھا جس کا تو مجھ پر احسان جتاتا ہے؟'' (سورۂ شعرا ۲۶۔ آیت ۲۲)

فرعون اُس کے درباری اور حکام آپس میں ایک دوسرے کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:

''فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا وَ قَوْمُھُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ''

''اور کہنے لگے کہ کیا ہم اپنے ہی جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں؟ اور آدمی بھی وہ جن کی قوم ہماری عبادت گزار ہے؟''

(سورۂ مومنون ۲۳۔ آیت ۴۷)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بابا سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

''یٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا''

''اے بابا جان! شیطان کی عبادت نہ کیجیے' کیونکہ شیطان خدائے رحمٰن کا نافرمان ہے۔'' (سورۂ مریم ۱۹۔ آیت ۴۴)

خداوندِ عالم تمام انسانوں سے مخاطب ہو کے فرماتا ہے:

''اَلَمْ اَعْھَدْ اِلَیْکُمْ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ''

''اے اولادِ آدم! کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی پرستش نہ کرنا؟ کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔'' (سورۂ یٰسین ۳۶۔ آیت ۶۰)

صاحبانِ فہم و فراست کو خدا کی طرف سے نوید ہے کہ:

''وَالَّذِیْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ یَّعْبُدُوْھَا وَ اَنَابُوْٓا اِلَی اللّٰہِ لَھُمُ الْبُشْرٰی''

''اور جن لوگوں نے طاغوت کی بندگی (ظالم اور سرکش لوگوں کے تسلط) سے اجتناب کیا اور اپنے پورے وجود کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو گئے' اُن کے لیے ہماری طرف سے بشارت ہے۔''

(سورۂ زمر ۳۹۔ آیت ۱۷)

جو لوگ خدا اور خدا کی وحی پر ایمان لانے کی وجہ سے مومنین پر نکتہ چینی کرتے ہیں اُن سے مخاطب ہو کے فرماتا ہے:

''مَنْ لَّعَنَہُ اللّٰہُ وَ غَضِبَ عَلَیْہِ وَ جَعَلَ مِنْھُمُ الْقِرَدَةَ وَ الْخَنَازِیْرَ وَ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ اُولٰٓئِکَ شَرٌّ مَّکَانًا وَّ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ''

''جس پر اللہ نے لعنت کی اور غضب نازل کیا ہے اور اُن میں سے بعض کو

بندر اور سور بنادیا ہے اور جس نے بھی طاغوت کی عبادت کی ہے وہ اپنے ٹھکانے کے اعتبار سے بدترین اور سیدھے راستے سے انتہائی بہکا ہوا ہے۔"

(سورۂ مائدہ ۵۔ آیت ۶۰)

قرآن کریم کی ان آیات میں فرعون' اُس کے حکومتی اکابرین' طاغوت اور شیطان کی اطاعت کو "عبادت" قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کریم کی مزید آیات کا مطالعہ کیا جائے' تو مجموعی طور پر وہ اس بات کو ظاہر کرتی ہیں کہ قرآنی مفہوم میں "عبادت" کسی حقیقی یا خیالی طاقت کی شوق ورغبت یا جبر واکراہ کے ساتھ پیروی اور اطاعت مطلق کو کہا جاتا ہے' ممکن ہے اس عبادت میں اس طاقت کا تقدس اور اس کی معنوی ستائش بھی پیش نظر ہو اور ممکن ہے نہ تقدس پیش نظر ہو اور نہ ہی معنوی ستائش۔ ہر صورت میں وہ طاقت معبود ہے اور اطاعت کرنے والا وہ شخص اُس کا عبد اور بندہ ہے۔

اس وضاحت کے ذریعے "الوہیت" اور "اللہ" کے الفاظ کی درست تفسیر ہو جاتی ہے' جو "معبود" اور "معبود قرار پانے" کی دوسری تعبیریں ہیں۔

ایک غلط جاہلی نظام میں' جہاں لوگ مستکبر اور مستضعف دو طبقات میں تقسیم ہوتے ہوں' یعنی ایک طبقہ تو وہ ہو جس کے ہاتھ پاؤں ہر طرف پھیلے ہوئے ہوں' جو پورے معاشرے پر مسلط ہو اور یوں خود بخود ایک استحصالی طبقہ بن گیا ہو' اور دوسرا طبقہ پیا ہوا' پسماندہ اور یوں از خود محروم طبقہ ہو' وہاں عبودیت اور الوہیت کا نمایاں ترین مظہر ان دونوں طبقات کے درمیان یہی غیر متوازن رابطہ ہے۔

تاریخ میں موجود مختلف معاشروں میں ان کے الہ اور معبودوں سے شناسائی اور ان کی تلاش کے لیے ان کے درمیان انسان' حیوان یا جماد کی جنس سے کسی مقدس موجود کو تلاش کرنا فضول ہے۔ ان معاشروں میں الہ اور معبود کا نمایاں ترین مظہر وہ لوگ ہیں جو مستکبر طبقے سے وابستگی کے بل بوتے پر مستضعف اور پسے ہوئے عوام کو اپنے پنجوں میں جکڑ کے

رکھتے ہیں اور عوام کو اُسی راستے پر ڈال کے رکھتے ہیں جو ان جعلی خداؤں کی خواہشات کی تسکین اور معاملات کو انہی کے ہاتھ میں لیے رکھنے پر منتج ہوتا ہے۔

اس قسم کے معاشروں میں معاشرے کا حقیقی مذہب "شرک" ہوا کرتا ہے' کیونکہ وہاں اُتنے ہی بت' معبود اور الہ ہوتے ہیں جتنے لوگوں پر حکمرانی کرنے والے اور عوام کو دست بستہ اور آنکھ کان بند کیے اپنی من پسند راہ پر چلانے والے محور اور قوتیں۔ شرک' یعنی خدا کے ساتھ یا خدا کی جگہ دوسروں کی الوہیت کا قائل ہونا' اور اُن کی اطاعت اور عبادت کرنا۔ یعنی: کاروبار حیات کی باگ ڈور غیر خدا کے سپرد کر دینا' یعنی: ہر غیر خدائی محور اور قدرت کے سامنے سر جھکا دینا' اُن کے سامنے اپنی حاجات پیش کرنا اور اُن کی طرف سے مقرر کردہ راہ اختیار کرنا۔

جبکہ توحید' شرک کے بالکل برعکس اور متضاد ہے۔ یعنی: ان تمام الہ اور معبودوں کا انکار کرنا' ان کے سامنے سر نہ جھکانا' ان کے غلبے کے خلاف مزاحمت کرنا' دل کو ان کے لیے ہمدردی اور ان کی مدد کے جذبے سے خالی رکھنا' مختصر یہ کہ ان کے انکار اور انہیں مسترد کرنے کا عزم صمیم رکھنا' اور اپنے پورے وجود کے ساتھ خدا کے سامنے تسلیم ہونا۔

تمام انبیائے الٰہی کا اولین شعار شرک کا انکار اور توحید کا اثبات ہے:

"وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ."

"اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا ہے' کہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت (خدا مخالف طاقتوں) سے اجتناب کرو۔"

(سورۂ نحل ۱۶۔ آیت ۳۶)

"وَمَآ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِيٓ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنَا فَاعْبُدُونِ."

''اور ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول بھیجا ہے اُس کی طرف یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم صرف میری عبادت کرو۔''

(سورۂ انبیا ۲۱۔ آیت ۲۵)

پس انبیا علیہم السلام نے یہ شعار بلند کر کے جاہلیت کے پست اور گھٹیا' باطل اور فاسد نظام کا انکار کیا اور لوگوں کو ''طاغوتوں'' یعنی اس نظام کے نگہبانوں اور اُن لوگوں کے خلاف ایک عظیم جنگ کی دعوت دی جنھوں نے حقیقی انسانی اقدار کے خلاف سرکشی کا مظاہرہ کیا اور ظالمانہ طور پر جس مقام پر وہ قابض ہوئے تھے اُس کی حفاظت کے لیے کھوکھلی اور جعلی اقدار کو لوگوں پر مسلط کیا۔

شرک کا انکار در حقیقت اُن تمام سماجی' اقتصادی اور سیاسی بنیادوں کا انکار ہے جن پر جاہلی معاشرے کی عمارت کھڑی ہوتی ہے' اور جنھوں نے مذہب شرک کو معاشرے کی غیر متوازن صورتحال کی پردہ پوشی اور توجیہ کا ذریعہ بنایا ہوا ہے۔

اللہ کے سوا دوسرے تمام الہ اور معبودوں کے انکار کا مطلب اُن تمام لوگوں کو مسترد کرنا ہے جنھوں نے خلقِ خدا کو اپنے قدموں تلے کچل کر رکھنے پر کمر باندھ رکھی ہے' اور جو زور وزبردستی یا بے وقوف بنا کے لوگوں کے کندھوں پر سوار رہیں' اور اس طرح انھوں نے اپنی سرکش نفسانی خواہشات اور لامتناہی آرزوؤں کی تسکین کا سامان فراہم کیا ہوا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ شعار بلند کر کے اور ''رب العالمین'' کا تذکرہ کر کے فرعون کے خلاف کھلی جنگ کا اعلان کیا' اُس کا انکار کیا۔ درست ہے کہ فرعونی بساط کے مہروں نے حضرت موسیٰ کے جرائم کی فہرست میں اس بات کا ذکر بھی کیا ہے کہ موسیٰ اُن کے خداؤں کا انکار کیا کرتے تھے اور حضرت موسیٰ کو بتوں کا مخالف قرار دیا ہے۔

''وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَ يَذَرَكَ وَ اٰلِهَتَكَ.''

''اور فرعون سے اُس کی قوم کے سرداروں نے کہا: کیا تو موسیٰ اور اُس کی قوم کو یوں ہی چھوڑ دے گا کہ وہ ملک میں فساد پھیلائیں اور تیری اور تیرے معبودوں کی بندگی ترک کر دیں۔'' (سورۂ اعراف ۷۔ آیت ۱۲۷)

لیکن فرعون اور اُس کا بدعنوان گروہ' دونوں ہی اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ خدا (یعنی وہ بے جان بت) فرعون اور اُس کے حاشیہ نشینوں کی خدائی کے لیے ایک پردے اور آلۂ کار سے زیادہ کسی حیثیت کے مالک نہیں۔ یہ بے جان بت دراصل ان جاندار خداؤں کے اقتدار کا بہانہ ہیں۔ لہٰذا بالکل منطقی بات تھی کہ اُنھوں نے حضرت موسیٰ کی اس دعوت (اُس خدائے واحد کی جانب دعوت جو آسمان و زمین کا خالق اور ان کا انتظام و انصرام کرنے والا ہے' وہی سب کا پروردگار اور مشرق و مغرب کا مختارِ کل ہے) کے جواب میں موسیٰ کو اسیری' قتل اور اُن کے اصحاب کو سخت ترین سزاؤں سے خوفزدہ کیا۔

''قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِىْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ.''

''فرعون نے کہا: اگر تم نے میرے علاوہ کسی اور کو اپنا معبود بنایا' تو میں تمھیں بھی اُن قیدیوں میں (جن کی حالت سے تم باخبر ہو) شامل کر دوں گا۔''

(سورۂ شعرا ۲۶۔ آیت ۲۹)

''قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَ نَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ وَ اِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ.''

''فرعون نے (اپنے اُن مشیروں کے جواب میں جو اُسے موسیٰ اور بنی اسرائیل کے خلاف سخت رویہ اپنانے پر اُکسا رہے تھے) کہا: عنقریب ہم اُن کے بیٹوں کو قتل کر دیں گے اور اُن کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیں گے اور ہمیں اُن پر بالادستی حاصل ہے۔'' (سورۂ اعراف ۷۔ آیت ۱۲۷)

فرعون نے اُن جادوگروں سے جو اُس کی توقع کے برخلاف حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے تھے کہا:

"لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَأُصَلِّبَنَّكُمْ

أَجْمَعِينَ"

''میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دوں گا' پھر تم سب

کو سولی پر لٹکا دوں گا۔'' (سورہ اعراف ۷۔ آیت ۱۲۴)

خدا کے نام لیواؤں اور توحید کا پیغام لانے والوں کے خلاف اس سختی اور سفا کی کی

واحد وجہ یہ تھی کہ اس پیغامِ نجات کا مطلب:

زندگی پر صرف خدا کی حکمرانی قبول کرنا ہے۔ یعنی حاکمیت اور اقتدار کے کسی

بھی دوسرے دعویدار کا انکار کرنا ہے۔

صرف اللہ رب العزت کی بندگی سے رشتہ جوڑنا ہے۔ یعنی بندگی اور غلامی

کا ہر دوسرا بندھن توڑ ڈالنا ہے۔

اور یہی روحِ توحید اور اُس کا بھرپور زندہ رُخ ہے۔

☆☆☆

یادداشت

طلوعِ اسلام کے دور میں، مکہ میں (جو بت پرستی کا مرکز اور عربوں کے نام ور بتوں کا دارالحکومت تھا) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین حنیف کے ماننے والے بھی پائے جاتے تھے، لیکن کیونکہ ان کی نظر میں توحید محض فکر وقلب میں منحصر اور زیادہ سے زیادہ انفرادی کردار اور عمل تک محدود تھی، لہٰذا اُس دور کی فکری اور اجتماعی فضا میں اُن کا وجود کوئی معمولی سا اثر بھی نہیں رکھتا تھا۔ اُس جاہلی گمراہی کے معاشرے میں اُن کی موجودگی کا احساس تک نہ ہوتا تھا اور اُن میں اس افسوس ناک زندگی کے بارے میں کوئی بے چینی اور پریشانی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ سب ہم پیالہ اور ہم نوالہ تھے ا[illegible] موحد کہے جانے والے لوگ بھی بغیر کسی اضطراب اور بلا کسی [illegible] کے اُن (مشرک و کافر لوگوں) کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ اُنہی کی طرح اور اُنہی قبیح رسوم و رواج کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔ توحید کو محض ایک ذہنی مسئلہ سمجھنا اور اُس کا یہی تصور اُن لوگوں کے غیر مؤثر اور زندگی بالخصوص اجتماعی زندگی میں فعال کردار ادا نہ کرنے کا سبب تھا۔